# مشرقی شعریات کے بنیادی امتیازات

تنقیدی شعور قدرت کی طرف سے ہر انسان کو ودیعت ہوا ہوتا ہے اور انسان اس شعور کو مختلف اندازوں سے مختلف اوقات میں ظاہر کرتا ہے۔ غرض تنقیدی شعور ایک انسان کی فہم وفراست کا منفرد عکاس ہے جو اس کو زندگی کے مختلف مراحل میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تنقیدی شعور ایک انسان کے ذہنی ارتقا میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

جہاں تک ادبی تنقید کے آغاز وارتقا کا سوال ہے اس ضمن میں دنیا کی قدیم زبانوں کے کلاسیکی ادب کا مطالعہ ناگزیر ہوگا جہاں ادبی تنقید نے غوں غاں کرنا سیکھا اور آگے چل کر مناسب انداز میں برگ و بار لائے۔ اس تنقیدی سرمائے کے سرسری مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیقِ ادب کے دوران ادیب کو اپنے فن پارے کی نوک پلک سنوارنے اور اُس کو فنی اور جمالیاتی محاسن کے زیورات سے آراستہ کرنے میں اپنے تنقیدی شعور کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ کلاسیکی ادب کے تخلیق کاروں کے تنقیدی شعور کا ذکر اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ متوازن اور صحت مند تنقیدی شعور کے متحمل تھے جو کہ ان کی تخلیقات سے ظاہر ہے۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ادبا اور شعرا نے اپنے تنقیدی شعور کو منضبط اور مبسوط انداز میں آشکار کیا جس نے بعد میں تنقید کو باضابطہ طور پر ایک صنف کی حیثیت عطا کی۔ لیکن دنیا کے مختلف علاقوں کی زبانوں میں تنقید کے اغراض ومقاصد اور اس کے اصول ونظریات مقامی ثقافت اور سماجی وسیاسی میلانات ورجحانات متعین کر رہے ہیں۔ مثلاً مختلف ادوار میں مغرب اور مشرق میں تنقید کے منصب کا تعین مختلف سیاسی وسماجی، معاشی وثقافتی حالات نے کیا ہے۔ اس بنیاد پر مغرب اور مشرق کی تنقید کے امتیازات کا مختلف ہونا یقینی بات ہے۔

مشرقی تنقید کے جائزے کے ضمن میں مشرق کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کے ادب میں لکھی گئی تنقید کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جن میں چینی، جاپانی، عربی، فارسی، اُردو، کشمیری، عبرانی پنجابی، سندھی، کنڑ، ملیالم، پشتو، ہندی گجراتی، تلگو، مراٹھی، بنگالی وغیرہ اہم زبانیں ہیں لیکن ان میں سے بیشتر زبانیں اُردو ادب پر شاذ ہی کوئی اثر ڈال رہی ہیں کیوں کہ اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ اُردو رسم الخط کا مختلف اور منفرد ہونا ہے۔ اس ضمن میں یہاں پر اُن ہی زبانوں کا تذکرہ ہوگا جن کا اُردو زبان وادب پر راست اثر ونفوذ ہے۔

اگرچہ چینی زبان کے ادب کی روایت نہایت ہی قدیم ہے جس کا اعتراف پروفیسر محمد حسن نے اپنی کتاب میں اس طرح کیا ہے:

> ''چینی ادب کی روایت زندہ روایات میں سب سے پرانی ہے لیکن یہ روایت جتنی قدیم اور مسلسل ہے اسی قدر دوسری روایات سے مختلف بھی ہے۔
> اس انوکھے پن کی سب کی بڑی وجہ چینی رسم خط کی نوعیت ہے''۔

(مشرق ومغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، از محمد حسن، ص ۸۵)

اسی طرح سنسکرت میں ادب شناسی کے معاملے میں بہت سے ایسے مباحث ملتے ہیں جن سے دوسری زبانیں یقیناً استفادہ کرسکتی ہیں۔ یہاں بھرت منی، آنند وردھن، ھیم چندر جیسے جید مفکرین نے تنقیدی فضا کو وجود بخشا۔ انہوں نے بالترتیب ''ناٹیہ شاستر (علمِ ڈرامہ)''، ''دھونی لوک (جہانِ صوتیات)''، ''شبدانوشاسن (لفظیات)'' میں شعراور شاعر کے بارے میں اپنے نظریات پیش کیے۔

مذکورہ زبانوں کا تنقیدی سرمایہ اپنے انوکھے پن کی وجہ سے اُردو شعروادب کو فکری یا فنی سطح پر کسی بھی تبدیلی کا محرک ثابت نہیں ہوا اسی لیے مشرقی تنقید کے امتیازات پر کھل کر کلام کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مشرقی تنقید سے عربی، فارسی اور اُردو میں لکھی گئی تنقید مراد لی جارہی ہے جن کی وجہ سے اُردو تنقید کی دنیا آباد ہے۔ تقدم زمانی کے اعتبار سے سب سے پہلے عربی زبان کے ادب میں پیش کی گئی تنقید کے امتیازی پہلوؤں پر بحث کی جارہی ہے:

## عربی تنقید کے امتیازات

عربی زبان وادب میں تنقیدی آثار سب سے پہلے معلقات اور شعرا کے طبقات میں نظر آتے ہیں۔ شعروشاعری کے میدان میں عربوں نے امتیاز قائم کیا تھا۔ عرب میں ایک تہذیبی میلہ ''عکاظ'' کے نام سے مشہور تھا اس میلے میں ہر سال عربی زبان کے شاعر اپنا کلام (قصیدے) سنایا کرتے تھے حاضرین سنائے گئے قصائد میں سے کسی ایک قصیدے کو منتخب کرکے اُسے سال کا بہترین قصیدہ قرار دیتے تھے اور اُس کے تخلیق کار کو اُس سال کا بہترین شاعر گردانا جاتا تھا یہ شاعر عوام میں ''اشعرالناس'' کے لقب سے شہرت حاصل کرتا تھا۔ بعض ادبی مورخوں نے لکھا ہے کہ اس منتخب قیصدے کو خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ ابتدا میں عرب میں شاعری کی تنقید کا سب سے اہم طریقہ یہی رہا ہے۔ لیکن تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں عربی تنقید کو منظّم کرنے کی کوشش کی گئی۔ عربی تنقید کے ابتدائی خدوخال سنوارنے میں ابن سلاّم، ابن معتز، ابن قتیبہ، قدامہ بن جعفر، جاحظ، ابن رشیق اور ابن خلدون کی تحریری کاوشوں کا براہ راست عمل دخل ہے۔ عربی تنقید میں جن عناصر پر توجہ مرکوز کی جاتی تھی وہ معانی، بیان اور بدیع ہیں۔ اگر چہ عربی تنقید میں بہت سارے مباحث سے واسطہ پڑتا ہے لیکن دراصل وہ معانی، بیان اور بدیع کی تثلیث کے گرد ہی طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں فصاحت و بلاغت، ایجاز، اطناب، محاورہ، روزمرہ (علم معانی)، تشبیہ، استعارہ، مجاز، کنایہ (علم بیان)، کلام کی معنوی اور لفظی خوبیوں کا بیاں (علم بدیع) جیسے مباحث قابل ذکر ہیں۔ عربی تنقید نے اپنی عمارت کی تعمیر وتشکیل میں انہی عناصر کو کام میں لایا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عناصر کے علاوہ کسی دوسرے عنصر میں شعر کو پرکھنے اور جانچنے کی صلاحیت مفقود تھی بلکہ سید محمد نواب کریم کے الفاظ میں:

> ''ایک بات صاف ہے کہ خود عربی ارباب نظر نے بھی ادبی تنقید کے بارے میں بہت زیادہ غور وخوض سے کام نہیں لیا۔ ان کی نظر میں بیان وبدیع سے آگے بڑھ کر دیگر خصوصیات میں شاعری کو پرکھنے کی صلاحیت نہ تھی''۔

(از اُردو تنقید: حالی سے کلیم تک ص ۳۸)

اس طرح مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں صنف تنقید نے زیادہ ترقی نہیں کی اگر چہ ابن قتیبہ اور قدامہ بن جعفر کی بالترتیب ''الشعر والشعرا'' اور ''عقد السحر فی نقد الشعر'' جیسی اپنے عہد کی مشہور تصنیفات نے صنف تنقید کے لیے ابتدائی سطح پر نا قابل فراموش کام کیا پھر بھی عربی تنقید معانی، بیان اور بدیع کے حصار سے باہر قدم نہ رکھ سکی اور انہی سے اس کے امتیازات قائم ہوتے ہیں۔عربی میں تنقید کے حوالے سے ناقدین نے شعر کے معیار اور اصول وشرائط پر مدلل بحثیں کی ہیں۔ابن قتیبہ نے لفظ اور معنی کے حوالے سے شعر کی چار قسمیں بتائی ہیں:

۱۔ جس کے الفاظ اور معنی دونوں اچھے ہوں۔

۲۔ جس کے الفاظ تو اچھے ہوں لیکن معنی میں کوئی خاص گہرائی نہ ہو۔

۳۔ جس کے معانی اچھے ہوں لیکن الفاظ ان کو پوری طرح ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

۴۔ جس کے الفاظ اور معانی دونوں پچھڑے ہوئے ہوں یعنی کم تر درجے کے ہوں۔

لفظ ومعنی کے حوالے سے ابن قتیبہ کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شعر میں زیادہ اہمیت الفاظ کے انتخاب اور اعلیٰ برتاؤ کی ہے۔اس خیال کی حمایت عربی تنقید کے ایک اور نقاد جاحظ نے یہ کہہ کر کی ہے کہ معنی تو گھسے پٹے ہوتے ہیں شعر میں اصل اہمیت الفاظ کے انتخاب اور عمدہ استعمال کی ہے۔قدامہ بن جعفر نے شعر میں طرزِ بیان، مبالغہ وحقیقت اور شعری زبان کی اہمیت پر بحث کی ہے۔اس کا یہ کہنا کہ ''بہترین شعر وہ ہے جو مبنی بر کذب ہو'' عربی شعری روایت کا اہم عنصر ہے۔قدامہ بنِ جعفر نے شعر کی یہ تعریف کی ہے کہ ''شعر وہ کلامِ موزوں ہے جو کسی معنی پر دلالت کرے''۔ پہلے پہل عرب میں شاعری کے حوالے سے معنی پر زور دیا جاتا تھا کیوں کہ معانی اپنے اندر جذبات واحساسات اور تصورات ومفروضات کی ایک دنیا آباد کی ہوئی ہوتی ہے۔جذبات کے اظہار کے تعلق سے عرب شاعر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔اس سلسلہ میں مرزبانی کی کتاب ے ایک واقع پیش کیا جاتا ہے جو عرب میں شعرفہمی اور شاعری کی تعین قدر کے ضمن میں ہماری راہ نمائی کرسکتا ہے:

> ''امراؤالقیس اور علقمہ بن عبدہ میں سے ہر ایک کو شاعری میں اپنی بڑائی کا دعویٰ تھا۔دونوں میں ایک روز یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم میں سے بڑا شاعر کون ہے۔علقمہ نے کہا میں تمہاری بیوی امِ جندب کو حَکم بناتا ہوں، وہ جو فیصلہ کردے گی اسے ہم دونوں مان لیں گے۔امِ جندب نے کہا کہ تم دونوں ایک ہی قافیہ اور ایک ہی ردیف میں قصیدہ کہو اور اس میں عمدہ قسم کے گھوڑے کی صفات بیان کرو۔چنانچہ دونوں نے اشعار کہے، دونوں کی شاعری سن کر امِ جندب نے اپنا فیصلہ سنایا کہ علقمہ امراؤالقیس سے بڑا شاعر ہے۔امراؤالقیس نے پوچھا کہ اس ترجیح کی وجہ کیا ہے۔اس کی بیوی نے جواب دیا کہ تم نے کہا ہے کہ 'کوڑے مار مار کر اور ڈانٹ کر میں نے گھوڑے کو قابو میں کیا' اور علقمہ کا گھوڑا بغیر کسی کوڑے اور ڈانٹ کے ہوا سے باتیں کرتا ہوا نکل گیا۔یہ سن کر امراؤالقیس نے کہا ''علقمہ ہرگز مجھ سے بڑا شاعر نہیں ہوسکتا

۔تم اس پر عاشق ہوگئی ہو، پھر اس نے امِ جندب کو اسی غصہ میں طلاق دے دی''

(''الموشح فی ماخذ العلماء علی الشعراء'' از المرزبانی، ۲۸، ۲۹)

مذکورہ اقتباس کو یہاں پر پیش کرنے کا یہ مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ دونوں میں سے کس کے سر بہترین شاعر ہونے کا تاج رکھا جائے بلکہ عربی تنقید کے بنیادی مقدمات کی منہاج کو گرفت میں لایا جا سکے۔ اس اقتباس میں قافیہ اور ردیف کے استعمال کے ساتھ ساتھ اخذِ معانی کے تفاعل پر اصرار ملتا ہے جو اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتا ہے کہ عربی ادب کی تنقیدی روایت میں لفظ و معنی کو مناسب اہمیت حاصل ہے۔

سرِ زمینِ عرب پر اسلام کی آمد کے بعد شاعری میں موضوعات کے حوالے سے اخلاقی پابندی پر اصرار کیا جانے لگا معانی کی اہمیت اور معنویت کا عالم یہ تھا معانی کے بعد عربی ادبا اور شعرا نے لفظ پر بھی اپنا زورِ قلم صرف کیا:

''پہلے تنقید صرف معانی تک محدود تھی۔ اب الفاظ اس دائرے میں آ گئے''

(اُردو تنقید کا ارتقاء: از عبادت بریلوی، ص- ایڈیشن ۲۰۰۲)

## فارسی تنقید کے امتیازات

شاعری کی تنقید کے حوالے سے جو مقدمات عربی ادب میں ملتے ہیں انہوں نے آگے چل کر فارسی شاعری کی تنقیدی عمارت کی تشکیل و تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ فارسی زبان کے کچھ شعرا نے اپنے زورِ تخیل، فنی عظمت و سطوت اور جمالیاتی گہرائی و تہہ داری سے مزین اشعار پیش کر کے عربی شعریات کے دائرے کو وسیع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ فارسی شعرا مثلاً سعدی، حافظ، فردوسی، رومی، جامی وغیرہ کے کلام میں فکری اور فنی گہرائی اور ندرت خیال کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور شاعر اور شاعری کے بارے میں نہایت ہی اہم اور سنجیدہ خیالات کا اظہار جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ لیکن تنقیدی نکات کو ابھارتے وقت کسی خاص نظامِ فکر کو ذہن میں نہیں رکھا گیا ہے بلکہ ہر ایک شاعر اور نقاد نے عربی روایات نقد کی آبیاری کرتے ہوئے معانی، بدیع اور بیان کو مرکز بنا کر اپنے اپنے انداز سے شاعری کے متعلق رائے ظاہر کی ہے۔ سید محمد نواب کریم نے فارسی کی تنقیدی روایت پر اس طرح کلام کیا ہے:

''فارسی میں بھی شاعری کا رواج کافی تھا بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایرانی شعرا نے فنکارانہ لطافت و بانکپن کے بعض بڑے نادر نمونے پیش کیے۔ سعدیؔ، حافظؔ، فردوسیؔ، رومیؔ اور جامیؔ کے کلام میں آپ فنی عظمت، تخیلی ندرت، جذباتی صداقت، تازہ خیالی اور نادرہ کاری کی کامیاب مثالیں دیکھیں گے لیکن کوئی مسلسل اور مربوط نظامِ تنقید آپ کو نظر نہیں آئے گا''۔

(از اُردو تنقید: حالی سے کلیم تک۔ ص ۳۵)

فارسی شاعری اور تنقید میں موضوعات کی یک رنگی اور سطحیت کی سب سے اہم وجہ یہ رہی ہے کہ ایران میں سیاسی، سماجی، ادبی، معاشی اور علمی سطح پر کوئی ایسا انقلاب برپا نہیں ہوا تھا جو وہاں کے شعرا اور ادباء کے دلوں کے ٹھہرے ہوئے پانیوں میں کنکر ڈال دیتا تاکہ موضوعات اور خیالات کا جمود ٹوٹ جاتا۔ اس طرح کے حالات نے اہل ایران کو تساہل پسندی کا جام پلا کر ہوشیاری اور دانشمندی کے جملہ اعضا بے کار و بے اثر کر ڈالے۔ اور نتیجے کے طور پر زندگی کے دوسرے شعبہ جات کی طرح شعر و ادب میں بھی انہوں نے گھسی پٹی روایات کو بغیر کسی تغیر و تبدل کے آگے بڑھایا۔ اس ماحول میں ہم یہ توقع نہیں کر سکتے ہیں کہ تنقید کا درخت برگ و بار لاتا۔ اس طرح فارسی تنقید کم و بیش عربی تنقید کے خطوط پر ہی گامزن رہی اور یہ کوئی نمایاں تبدیلی لانے سے قاصر تھی۔ اگرچہ فارسی میں بھی نظامی عروضی سمرقندی، رشید الدین وطواط اور امیر عنصر المعالی کیکاؤس نے بالترتیب ''چہار مقالہ''، ''حدائق السحر فی دقائق الشعر'' اور ''قابوس نامہ'' جیسی اہم تنقیدی تصانیف میں شاعری کو صناعت مانتے ہوئے زبان و بیان، قافیہ اور ردیف، تشبیہ و استعارہ کے نادر و نایاب استعمال پر زور دیا ہے اور لفظ کے بجائے معنی پر اصرار کیا۔ ان کے علاوہ محمد عوفی کی ''لباب الالباب''، شمس الدین محمد بن قیس رازی کی ''المعجم فی معاییر اشعار العجم'' ایسی کتابیں ہیں جو فارسی کی تنقیدی روایات کے خدوخال کو ابھارنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔ بہ حیثیتِ مجموعی فارسی تنقید الفاظ کے انتخاب اور فن کارانہ استعمال، معانی کی ندرت، تشبیہ اور استعارے کا رکھ رکھاو، قافیہ اور ردیف کا شاعرانہ برتاو اور دوسرے شعری وسائل کے فنی، لسانی اور جمالیاتی معیارات سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ سارے امور عربی تنقید کے تسلسل کا ایک حصہ ہیں اور ان میں جدت اور ندرت کی بالکل کوئی قوت موجود نہ تھی جو ان کو عربی تنقید سے مختلف قرار دیتی۔ تاہم فارسی میں تنقید کو باقاعدہ اور باضابطہ صنف کا درجہ عطا نہیں ہوسکا۔ فارسی میں تنقید کے امتیازات سے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی مجموعی طور پر بیان، معانی اور بدیع کے مباحث کو محیط ہے۔ اس سلسلہ میں اُردو کے ایک اہم نقاد ابوالکلام قاسمی کا یہ خیال پیش کرنا بے محل نہ ہوگا:

> ''فارسی کی تنقیدی روایت کے عناصر ترکیبی کا یہ جائزہ ثابت کرتا ہے کہ عربی ہی کی طرح فارسی کی قدیم تنقید بھی معانی، بیان اور بدیع کے گرد گھومتی ہے۔ علمِ معانی کے اہم ترین مباحث میں سے فصاحت، بلاغت، ایجاز، اطناب، مترادفات اور محاورات وغیرہ آتے ہیں اور علمِ بدیع سے ہمیں تحسین کلام اور تزئینِ شعر کے اصول وضوابط کا پتہ چلتا ہے۔ علمِ بیان، اظہار، اسالیب اور ترسیل و ابلاغ جیسے اہم مسائل کا احاطہ کرتا ہے''۔

(مشرقی شعریات اُردو تنقید کی روایت ص۔ ۱۳۸)

## اُردو تنقید کے امتیازات

اُردو میں جس طرح شعری اصناف کے سلسلے میں فارسی شاعری کی تقلید کی گئی اسی طرح تنقیدی خیالات کے تدوین و اظہار

میں بھی فارسی زبان کا دامن پکڑ لیا گیا۔ اُردو میں ادبی تنقید کے ابتدائی نقوش شعرائے اُردو کے تذکروں میں جا بجا ملتے ہیں اگر چہ یہ تنقیدی خیالات منظّم اور مربوط نظام فکر کا کوئی بھی پتہ نہیں دیتے ہیں تاہم انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے نصف تک اُردو کی جو تنقیدی عمارت کھڑی ہوسکی اس میں انہی تذکروں نے اینٹ گارے کا کام انجام دیا۔ اُردو کے سخت گیر نقاد کلیم الدین احمد تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے کسی بھی طرح قائل نہیں ہیں اور ان کو شاعروں کے معتصبانہ خیالات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ ابوالکلام قاسمی تذکروں کی تنقیدی اہمیت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''بہت سے تنقید نگار تذکرۂ شعرا کو تنقیدی کتابوں میں شمار نہیں کرتے۔ یہ بات جزوی طور پر درست ہے مگر دیکھنا یہ چاہیے کہ تذکرہ نگاری خواہ تاریخ نویسی کا حصہ ہو یا شعری انتخابات کو پیش کرنے کی کوشش، ان حد بندیوں کے باوجود بعض شاعروں پر یا ان کے کلام پر تذکرہ نویس جو رائے دیتے رہے ان کی کوئی تنقیدی حیثیت بھی ہے یا نہیں؟ اس بات سے کسی نقاد کو اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اگر اُردو میں ادبی تنقید کے ابتدائی آثار اور نشانات کہیں پائے جاتے ہیں تو وہ شعرائے اردو کے تذکروں میں ہی پائے جاتے ہیں''۔

(از-مشرقی شعریات اور اُردو تنقید کی روایت ص ۲۰-۱۹)

ابوالکلام قاسمی کی اس بات کہ اُردو تنقید کے ابتدائی آثار تذکروں میں ہی پائے جاتے ہیں سے شاید ہی کسی کو انکار ہوگا لیکن تذکرہ نگاروں نے جن مقدمات کی بنیاد پر اُردو میں غیر شعوری طور پر تنقید کو استوار کرنا چاہا وہ خالص وہی روایات تھیں جو فارسی ادب میں اپنی تازگی اور ندرت خرچ کر کے کنگال ہوچکی تھیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ابتدا میں اُردو میں شعر و شاعری کی دل بہلانے کے سوا کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ شاعری کے سماجی، تہذیبی، علمی اور معاشرتی سروکار کے تمام مباحث اُردو تنقید کی دنیا میں نایاب تھے کیوں کہ تذکرہ نگاروں نے تنقید کے حوالے سے عربی اور فارسی روایات نقد سے ہی اخذ و استفادہ کر کے خود کوئی نئی راہ تلاش کرنے کی کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی بلکہ پامال راستوں پر ہی اپنا تنقیدی سفر جاری رکھ کر اُردو تنقید کے خدوخال متعین کیے۔ شعرائے اُردو کے تذکروں کے علاوہ مشاعروں میں پیش کی گئی آرا کو بھی کچھ ادبی مورخ تنقیدی نقوش سے تعبیر کرتے ہیں جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مثلاً اگر کسی مشاعرے میں حاضرین میں سے کسی نے شعر پر داد دیتے ہوئے فراخدلی کا مظاہر کیا ہے تو اس کی یہ رائے سخن یا بچن شناسی کی کسی بھی روایت کے تحت محترم نہیں ہے کیوں کہ مشاعروں کی واہ واہ اور کلماتِ تحسین و نفریں اشعار کے حسن و قبح کا صحیح تعین نہیں کر سکتے۔ مشاعروں میں داد دینے والے حضرات کے پاس اُس فرصتِ نظر کا فقدان ہوتا ہے جو شعر میں معنوی تہہ داری، جمالیاتی کیفیات اور تاثرات کی نازک لہروں اور الفاظ کے حسین انتخاب اور فن کارانہ برتاو کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہاں یہ بات ضرور ہے کہ مشاعروں میں شعرا کو ملنے والی داد و تحسین نے اُردو تنقید کے ابتدائی خدوخال ابھارنے اور ان کی ترسیل و تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا ہے جس کی اُردو تنقید کے ارتقائی سفر میں مناسب اہمیت ہے۔ واضح رہے کہ مشاعروں میں جن تنقیدی اشاروں کا اظہار ہوتا تھا ان کا وجود معانی، بیان اور بدیع کے محدود دائرے سے باہر کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اُردو تنقید کے ارتقائی سفر میں اصلاحِ

سخن کی روایت بھی قابل ذکر ہے۔ شعرا اپنے کلام کی نوک پلک سنوارنے اور عروض وقوافی کے مسائل سے آگہی حاصل کرنے کے لیے اساتذۂ فن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔ اس طریقہ کار نے نوآموز شعرا میں وہ تنقیدی شعور عام کیا جس نے ان کی تخلیقات میں تہہ داری اور فنی پختگی کے جوہر بھر دیئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہاں پر بھی تنقید کا وہی محدود تصور عام کیا جا رہا تھا جو معانی، بیان اور بدیع کی تثلیث میں مقید تھا۔

انیسویں صدی کے ربع آخر میں اُردو میں تنقید کی باقاعدہ شروعات الطاف حسین حالی نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' لکھ کر کی (' مقدمہ شعر و شاعری' دراصل حالؔی کے شعری مجموعہ کلام کا مقدمہ تھا جو اپنی تنقیدی اہمیت کے پیش نظر الگ سے کتابی شکل میں سامنے آیا اور ادبی اُفق پر مانندِ آفتاب و ماہتاب چمکنے لگا) ۔ حالؔی نے اُردو تنقید کو وسعت عطا کر کے مشرقی تنقید میں ایک اہم کارنامہ انجام دیا۔ مغربی تنقید سے اخذ و استفادہ کر کے حالؔی نے ادب کے سماجی اور معاشرتی سروکار کو معرض بحث لاتے ہوئے کئی سوالات قائم کیے مثلاً ادب کا سماج میں کیا مقام ہے؟ ادب سماج کے لیے کون سا تعمیری کام انجام دے سکتا ہے؟ شاعر اور عام انسان کے درمیان کن بنیادوں پر خطِ امتیاز کھینچا جا سکتا ہے؟ شاعری کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟ شاعری سماجی اصلاح میں کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟ شاعری اخلاقی اقدار کی تربیت میں کس طرح معاون ہو سکتی ہے؟ غرض حالؔی نے شعر کی اصلیت اور مائیت سے لے کر اس کے مقصد اور فلاحی پہلوؤں تک کے سبھی مباحث کو مقدمہ میں نہایت ہی سنجیدگی اور پختگی کے ساتھ زیر بحث لایا۔ حالؔی چوں کہ عربی اور فارسی کی ادبی روایات کے گہرے اور پختہ شعور سے مزیّن تو تھے ہی، انگریزی دوستوں کی مدد سے انگریزی زبان میں ادب اور تنقید کے تعلق سے تبدیلیوں سے آگاہی حاصل کرتے رہے، جس کا فوری طور پر یہ اثر ہوا کہ حالؔی ہر ایک کو مغربی افکار و خیالات کی طرف لپکنے کا درس دیتے رہے ۔

حالؔی اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفیؔ و میرؔ کر چلے

حالؔی نے پہلی بار اُردو تنقید میں سادگی، اصلیت اور جوش کے مباحث شروع کر کے اس کے دامن کو وسعت سے مالا مال کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حالؔی نے ایک اچھے شاعر کی صلاحیت اور شاعرانہ انفرادیت کا تعین کرنے کی طرح ڈالی۔ شاعر کے لیے تین چیزوں کا ہونا لازمی قرار دیا مثلاً (۱) تخیل (۲) مطالعہ کائنات اور (۳) تفحص الفاظ، حالؔی کی پیش کردہ اصطلاحات نے اُردو تنقید کی بنیاد قائم کی اور اس طرح وہ اُردو تنقید کے بنیاد گزار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ہی کے قائم کیے ہوئے خطوط پر اُردو تنقید نے مستقبل میں اپنا سفر جاری و ساری رکھا۔

حالؔی کے ہم عصر ادیب اور شاعر مولانا شبلیؔ نعمانی نے مغربی تنقید کے برعکس مشرقی تنقید پر اپنے انتقادی منطقے کی بنیاد رکھی۔ شبلیؔ نے محاکات کو شاعری کا امتیازی وصف قرار دیا۔ آگے چل کر ترقی پسند تحریک نے ادب کے سماجی اور تاریخی وظیفے کو تنقید کا ماحصل قرار دے کر اُردو تنقید کو نئے انفس و آفاق عطا کیے۔ شعر و ادب کو معاشی اور اقتصادی طاقتوں، طبقاتی کشمکش اور حقیقی مسائل و

مشکلات کا آئینہ دار قرار دیا گیا۔اس دور میں احتشام حسین، سجاد ظہیر، مجنون گورکھپوری وغیرہ نے تنقید کے پاؤں میں ترقی پسندی (یا مارکسیت پسندی) کے گھنگھرو باندھے۔تنقید کا یہ دور اپنے ماضی سے اس معنی میں مختلف تھا کہ یہ صرف ادب برائے زندگی کا قائل تھا:

''ادب وشعر کے متعلق الہامی، رومانی، ماورائی اور مابعد الطبیعاتی نقطہ نظر کو چھوڑ کر انہوں نے اس کے مادّی نقطہ نظر کو اپنایا اور اس کو تاریخی، سماجی اور عمرانی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔انہوں نے اس کو صرف تفریح طبع کا باعث نہیں سمجھا بلکہ ایک سماجی تحمل قرار دیا جس کا سب سے بڑا مقصد سماجی اصلاح ہے اس طرح اُردو تنقید تجزیے کے اس پہلو سے روشناس ہوئی جس کا ابھی تک اس کو علم نہیں تھا۔ بہ ہر حال اُردو میں یہ بالکل نئی چیز تھی''۔

(از-اُردو تنقید کا ارتقا، عبادت بریلوی، ص ۳۷۳-۳۷۲)

اُردو میں جدیدیت کا رجحان ۱۹۶۰ء میں شروع ہوا۔اس دور میں خارجی سیاسی اور سماجی حالات کی ابتری کی وجہ سے ادیب وشاعر اپنی ذات کے نہاں خانوں میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔جس کا فوری ردِعمل یہ نکلا کہ انہوں نے ایسے فن پارے تخلیق کیے جو ان کے انفرادی احساسات و جذبات اور تصورات و کیفیات کی عکاسی کرتے تھے۔اس طرح جدیدیت کے تحت سامنے آنے والے ادب میں فرد تنہا ہوں کر رہ گیا جس نے اس کو خود مکتفی اور خود مختار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ناصر عباس نیرّ کے مطابق:

''جدید ادب نے فرد کے باطن کے انکشاف کو اپنا سروکار بنایا اور اس باطن کو جس نے خارج سے مخاصمت ،انقطاع اور انحراف کا رشتہ قائم کیا ہوا تھا۔اس طرح جدیدیت کے زیر اثر جن تنقیدی مکاتب کا ظہور ہوا، وہ بھی متن کی خود مختاریت میں یقین رکھتے تھے،متن کو اس کے خارجی، تاریخی اور سماجی تناظر سے الگ کرتے تھے اور متن کی لسانی، ہیتی، اسلوبی میکانیت کے فہم و تجزیے میں سرگرمی دکھاتے تھے''۔

(از- جدید اور مابعد جدید تنقید، ناصر عباس نیرّ، ص-۳۴)

مذکورہ اقتباس میں فاضل مصنف نے یہ باور کرانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے کہ جدیدیت کے تحت سامنے آنے والے تنقیدی سرمایے نے ادب کے خارجی پہلوؤں کو کامل استرداد عطا کر کے اس کے داخلی عناصر پر اپنی توجہ مبذول کی۔داخلی عناصر کے تجزیے اور تشریح میں ناقدین نے ادب کی ادبیت (Literariness of Literature) کے گرد اپنا حصار قائم کیا۔بہ حیثیت مجموعی جدیدیت کے تحت سامنے آنے والے تنقیدی نظریات نے ان عناصر پر اپنی تنقیدی قوت صرف کی جن کی وجہ سے ایک متن ادبی متن بن جاتا ہے۔جدیدیت کے بعد مابعد جدیدیت کا دور ۱۹۸۰ء کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔ مابعد جدیدیت کسی بھی تحریک، رجحان، نظریہ، خیال کو حتمی اور قطعی (Fixed and Final) تصور نہ کرتے ہوئے بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی، ادبی، علمی روایات کا ساتھ دینے پر مصر ہے۔ بہ الفاظِ دیگر مابعد جدیدیت تحریک ہے نہ رجحان بلکہ یہ ایک ایسی ثقافتی صورت حال ہے جو تغیر پذیر زندگی اور ادب میں ہم آہنگی پیدا کر کے ادب کو نئے رجحانات و میلانات کا عکاس بنانا چاہتی ہے۔ مابعد جدید تنقیدی نظریات قاری، متن،

زبان، قرأت، ثقافت پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے۔ جو مابعد جدید تنقید کا امتیاز ہے۔ اس تنقید نے مشرقی تنقید کی اہم روایات واقدار سے اخذ واستفادہ کرنے کے علاوہ عصری مغربی تنقید کے مقدمات سے بھی خود کو لیس کیا۔ اس طرح مابعد جدید تنقیدی نظریات کے تحت سامنے آنے والی تنقید اپنے ماضی کے ادبی وتنقیدی سرمایے سے رشتہ جوڑتے ہوئے بھی ماضی کی ادبی تنقید سے مختلف بھی ہے اور منفرد بھی۔

مشرقی تنقید کے امتیازات سے بحث کرتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عربی اور فارسی کی تنقید علم معانی، علم بدیع اور علم بیان سے متعلق مختلف قسم کے مباحث تک ہی محدود تھی۔ اُردو تنقید کا ابتدائی دور انہی خطوط پر قائم تھا لیکن حالؔی اور اُن کے بعد کے ناقدین نے ادب کی قدر و قیمت کا معیار از سرنو قائم کر کے ادب کا رشتہ دوسرے علوم ونظریات سے جوڑ دیا۔ ترقی پسندی، جدیدیت اور ما جدیدیت نے اُردو تنقید کو نئے نئے عنوانات عطا کر کے اس آبِ جو کو بحرِ بے کراں میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح آج اُردو تنقید (جو مشرقی تنقید کی ایک اہم شاخ ہے) معانی، بدیع اور بیان کے مثلث سے باہر قاری، قرأت، متن، ثقافت، زبان اور اُن کے متعلقات پر اپنی اساس قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔